سرمایہ داری، اشتراکیت اور اسلام

(۲)

سید کاظم نقوی، ریڈر شعبہ دینیات شیعہ، مسلم یونیورسٹی ۔ علی گڑھ

سرمایہ داری اور مادیت

یہ حقیقت ہے کہ سرمایہ داری کا بہاؤ مادیت کے رخ پر ہے، یہ نظام مادی نظام ہے۔ اس میں خدا اور آخرت کا کوئی تصور نہیں ہے۔ انسان کو اسی دنیا کی مادی زندگی میں محدود فرض کیا گیا ہے۔ جو کچھ ہے وہ یہی دنیا اور اس کا وقتی فائدہ۔ یہ سب ٹھیک، لیکن نظام سرمایہ داری کی بنیاد مادی فلسفہ پر نہیں ہے۔ اس نظام میں زندگی کے متعلق اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت نہیں کی گئی ہے۔ زندگی کے لیے ایک خالص معاشرتی نظام تو بنا دیا گیا لیکن انسانی زندگی کا کوئی علمی اور فلسفی مفہوم نہیں بتایا گیا۔ سرمایہ داری نے ایک طرف سیاسی آزادی کا اعلان کیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کسی غیر مادی مرکز اعلیٰ کا تصور نہیں ہے، دوسری طرف مذہبی آزادی کا پرچار کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس نظام کو روحانیات اور غیبیات سے عناد نہیں ہے۔ جہاں تک اس ماحول کا تعلق ہے جس میں اس نظام نے آنکھیں کھولیں وہ مادیت سے چھلک رہا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ صنعتی انقلاب کے بعد تمام حقائق و معارف کا منفرد معیار تجرباتی علوم قرار پا گئے تھے۔ تجربہ نے تمام علمی میدانوں میں غیر معمولی اہمیت حاصل

کی۔ سائنس نے ایسے شاندار حقائق کا انکشاف کیا جن کا سان گمان تک نہیں تھا۔ اس نے کائنات کے بے شمار اسرار و رموز بے نقاب کر کے انسانی زندگی کے سامنے سہولتوں کے دروازے پاٹوں پاٹ کھول دئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تنہا تجرباتی علم ساری عظمتوں اور عزتوں کا وارث ہو گیا۔ خالص عقلی افکار و عقائد لوگوں کی نظروں سے گر گئے۔ یہ بھی ہوا کہ عموماً جن باتوں کو ایک بدیہی حقیقت کے طور پہ مانا جاتا تھا یکایک، اچانک ان کی بابت رائے میں تبدیلی ہو گئی۔ نتیجتاً تمام پرانی باتیں مشکوک نظر سے دیکھی جانے لگیں۔ مادیت کے اس سیلاب میں کلیسا کے غلط اور غیر دانشمندانہ رویہ کا بھی بڑا ہاتھ تھا۔ اس نے دماغوں پر پہرے بٹھا رکھے تھے۔ ظالم بادشاہوں کی ہاں میں ہاں ملانا ان کا مستقل شغل تھا۔ انھوں نے اپنے مذہبی موقف سے بڑے غلط فائدے اٹھائے۔ انھوں نے مذہب کو اپنے مادی اغراض و مقاصد کے حاصل کرنے کا ذریعہ بنا لیا۔ انھوں نے ہر علمی اور اصلاحی تحریک کا سر کچلنا شروع کر دیا۔ اہل کلیسا کے اس ناپاک کرتوت نے بے خطا مذہب کو بدنام کر دیا۔ مذہب سے لوگوں کو نفرت ہو گئی، کیونکہ جرم اسی کے نام سے کیا گیا تھا، حالانکہ بے چارہ مذہب اہل کلیسا کے رویہ سے اسی طرح نالاں، ناراض اور متنفر تھا جس طرح دوسرے عوام الناس۔

یہی اسباب تھے جنھوں نے مادیت کو مغربی دماغوں میں بری طرح ٹھونس دیا۔ ماحول کے تمام تر مادیت سے متاثر ہونے کے باوجود نظام سرمایہ داری کی عمارت اس بنیاد پر قائم نہیں کی گئی ہے۔ اس نظام کے کرتا دھرتا اشخاص نے انسانی زندگی کے مفہوم کی وضاحت یا عوام کے برگشتہ ہونے کے ڈر سے نہیں کی اور یا وہ مفہوم زندگی اور نظام زندگی کی گہری .... وابستگی سے ناواقف تھے۔ جو بھی ہو، اس نظام کی پشت پر انسان کی زندگی کا کوئی فلسفیانہ مفہوم موجود نہیں ہے۔ یہی اس کی بڑی کمزوری ہے۔

بڑے اچنبھے کی بات ہے کہ انسانی زندگی کے خصوصیات معین کیے بغیر اس کے لیے معاشرتی نظام تجویز کر دیا جائے۔ پہلے خود زندگی کا مفہوم طے ہونا چاہیے پھر ایسا قانون بنانے کی منزل ہے جو اس کے مطابق ہو۔

انسان اس دنیوی زندگی میں محدود ہے جس کی ابتدا، پیدائش اور انتہا موت ہے یا اس کے بعد اس کے لیے کوئی ابدی زندگی بھی ہے؟ کہیں ایسا تو نہ ہو کہ یہ زندگی اس حیاتِ جاودانی کا پیش خیمہ ہو۔ وہاں کی آسائش اور راحت اس دنیوی زندگی کی لطافت اور پاکیزگی سے وابستہ ہو؟

حسن اتفاق سے تجرباتی علوم ہی کے اصول کی روشنی میں دنیا نے یہ انکشاف کر لیا ہے کہ انسان موت کے بعد بالکل نیست و نابود نہیں ہو جاتا بلکہ وہ ایک دوسرے عالم میں منتقل ہو کر زندگی گذارنے لگتا ہے۔ ایسی صورت میں موجودہ زندگی کے لیے کسی نظام کے مرتب کرنے میں آیندہ زندگی کی رعایت ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

پھر یہ مسئلہ بھی نظر میں رکھنا لازمی ہے کہ انسان خود بخود وجود میں آ گیا ہے یا اس کو کسی صاحبِ عقل و اختیار قوت نے پیدا کیا ہے؟ اگر انسان کا وجود اتفاقی نہیں ہے بلکہ صاحبِ عقل، خالق مختار کے ارادے اور نگاہِ کرم کا مرہونِ منت ہے تو وہی انسانی خصوصیات اور اسرار و رموز کا واقف کار ہے۔ اس کا تمام افرادِ انسانی سے یکساں تعلق ہے۔ اپنے ہمہ گیر علم و اطلاع اور سب کے ساتھ مساویانہ تعلق کی بنا پر انسان کے لیے مکمل اور بے لوث نظامِ حیات بنانے کا اسی کو حق ہے۔

یہ تصور بالکل غلط ہے کہ وجودِ خدا اور آخرت کا عقیدہ خالص ذہنی اور فکری بات ہے جس کا ہماری عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ ایک الگ مسئلہ ہے اور انسانی زندگی کے مسائل علاحدہ ہیں۔ اس مسئلے کو بغیر حل کیے ہوئے بھی زندگی کے واسطے قانون مرتب کیا جا سکتا ہے۔ یہ خیال نقطۂ حقیقت سے بالکل ہٹا ہوا ہے۔ واقعہ

یہ ہے کہ اس نظام نے عقل اور زندگی سے یکساں انتقام لیا ہے۔

گذشتہ بیان سے اچھی طرح واضح ہو گیا کہ نظام سرمایہ داری کا اساسی نقطہ ہے۔ ملک کے باشندوں کی سیاسی آزادی کی بازگشت اسی خیال کی طرف ہے کہ کوئی بھی شخصیت یا جماعت موجود نہیں ہے جو اپنے ارادے، رجحانات، آراء و افکار دوسروں پر مسلط کرے ہو۔ معاشرتی مسئلے کا حل جس کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے اور انسانی زندگی کے واسطے قانون اور نظام کی تجویز میں جس کے اوپر بھروسہ کر لیا جائے۔

سرمایہ داری میں اخلاق کا درجہ

نظام سرمایہ داری سے مادیت کی روح ابل رہی ہے۔ اس کا یہی نتیجہ ہونا چاہیے کہ اخلاقیات کو اس نظام سے نکال دیا جائے، ان کے حقیقی وجود کو یا تسلیم نہ کیا جائے اور یا ان کے مفہوم میں بالکل تبدیلی کر دی جائے۔ نظام سرمایہ داری نے صاف صاف اعلان کیا ہے کہ شخصی مفاد کی حمایت ہمارا بنیادی مقصد ہے ملک کے باشندوں کو ہر قسم کی آزادی ہم نے اسی انفرادی مفاد کی خاطر دی ہے۔ تمام موجودہ مصائب و آلام اور شدائد و مظالم جن کے تحمل کی سکت نہ پاکر پورا عالم انسانیت فریاد کر رہا ہے اسی نظریہ کے ڈھائے ہوئے ہیں۔ اس نظام کے حامیوں کا کہنا ہے کہ یہی شخصی مفاد قومی مفاد کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہے، جو نتائج اخلاقیات کی مدد سے وجود میں آتے ہیں وہ انفرادی محرکات سے بھی حاصل ہو سکتے ہیں۔ انسان جب کوئی قومی خدمت کرتا ہے تو اسے شخصی فائدہ بھی پہونچتا ہے کیونکہ وہ جس جماعت کو فائدہ پہونچا رہا ہے خود بھی اسی کا ایک جزء ہے۔ اگر ہم نے کسی ڈوبتے کو بچا لیا تو اپنی ذات کو فائدہ پہونچایا، کیونکہ بہت ممکن ہے کہ وہ شخص آئندہ کوئی ایسا کام کرے جس سے حصہ رسدی ہمیں بھی فائدہ پہونچے۔ معلوم ہوا کہ قومی مفاد چونکہ تحلیل ہونے کے بعد شخصی مفاد کی شکل اختیار کر لیتا ہے لہذا اس کا تحفظ

انفرادی محرک اور ذاتی مفاد کا احساس کرے گا۔ اس مقصد کے لیے اخلاقیات کا قدم درمیان میں لانے کی ضرورت نہیں ہے۔

یہ استدلال کیا صحیح ہے؟

خالص مادیت کے پرچار کے ساتھ سرمایہ داری کے طرفداروں کا مذکورہ استدلال حیرت انگیز ہے۔ اس دنیا کے علاوہ کسی دوسرے عالم اور اس زندگی کے بعد کسی دوسری زندگی کو نہ مانتے ہوئے یہ کہنا کہ ہر قومی فائدہ تحلیل ہوکر انفرادی فائدہ بن جاتا ہے بڑی دیدہ دلیری کا کام ہے۔ کیا ایسا نہیں ہے کہ کبھی جماعتی مفاد لوگوں سے جان کی قربانی کا مطالبہ کرتا ہے؟ فرمائیے کہ اس وقت جماعتی فائدہ شخصی فائدے میں کیونکر تحلیل ہوگا؟ فرد تو بالکل نیست و نابود ہو جائے گی، اس خدمت سے حصہ رسدی فائدہ اسے کیونکر پہونچے گا؟ جبکہ اسے اس قربانی سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں ہے تو اس اجتماعی مصلحت اور منفعت کی خاطر اخلاقیات یا اخروی ثواب کے علاوہ اور کس محرک کی بنا پر وہ اپنی جان پر کھیلے گا؟

تعجب ہے کہ ایسے ایسے عقلائے روزگار سے یہ حقیقت پوشیدہ ہے کہ ہمیشہ اجتماعی مفاد کا انفرادی مفاد سے سازگار رہنا ضروری نہیں ہے۔ باہم سازگار رہنے کی شکل میں یہ صحیح ہے کہ قوم کا فائدہ تحلیل ہوکر فرد کا فائدہ بن جائے گا۔ دوسرے لفظوں میں یوں وضاحت کی جائے کہ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ فرد کو اپنی تنہا مصلحت اور جماعتی مصلحت دونوں میں سے ہر ایک کا لحاظ کرنے سے مساوی فائدہ حاصل ہوسکا ہو۔ زیادہ تر ایسا ہوتا ہے کہ اپنی خصوصی مصلحت کی رعایت سے بہت سا فائدہ پہونچتا ہے اور جماعت کی مصلحت کی رعایت کرنے میں کم فائدہ ہوتا ہے، دوسرے شریک ہو جاتے ہیں۔ ایسے مواقع پر اخلاقیات ہی جماعتی مصلحت کو مقدم کرنے کے محرک بنتے ہیں۔ اخلاقیات، خدا کے حاضر و ناظر، علیم و خبیر، قادر و مقتدر ہونے اور آخرت

[illegible] اور معاشرتی مصلحتوں کے تحفظ [illegible] ذریعہ [illegible] ہے۔ جو ماحول ان دونوں سے خالی ہوگا وہ انسانوں کی نہیں، درندوں کی بستی ہوگی۔

سرمایہ داری کی تباہ کاریاں

یہ بہت لمبی زنجیر ہے جس کی تمام کڑیوں کو سامنے نہیں لایا جا سکتا۔ اس نظام کی تباہ کاریوں کی سب سے پہلی کڑی یہ ہے کہ اقلیت کا مفاد اور اس کی زندگی اکثریت کے رحم و کرم پر ہے۔

سیاسی آزادی نے قانون سازی اور حکام کو منتخب کرنے کا حق قوم کی اکثریت کو دیدیا ہے۔ حسنِ اتفاق سے اکثریت کی نمائندہ جماعت پورے طور پر سرمایہ داری کی مادی ذہنیت رکھتی ہے۔ بتائیے کہ اس وقت اقلیت کے حقوق کا کیا حشر ہوگا؟ جو قوانین اکثریت کے فائدوں اور مصلحتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے بنائے گئے ہوں اقلیت ان کے سایہ میں سود و بہبود کی کیا توقع کر سکتی ہے؟ کیا مادی نقطۂ نظر سے یہ عجیب اور خلافِ امید بات ہوگی کہ اکثریت قانون سازی میں بس اپنے مفاد اور مصلحت کا لحاظ کرے اور اقلیت کے حقوق، اس کی مصلحتوں کو بالکل پامال کر ڈالے؟

غور کیجئے کہ جب خدا اور عالم آخرت کا وجود نہیں ہے، جبکہ انفرادی مصلحت ہی سب کچھ ہے، جبکہ اخلاقی اقدار کی کوئی قیمت نہیں ہے تو اکثریت کی زیادتیوں سے اقلیت کو کون بچائے گا؟

حقیقت یہ ہے کہ عوام کے حقوق کی پامالی اور ان پر ظلم و تشدد کے لحاظ سے سرمایہ دارانہ نظام اپنے پہلے کے نظاموں سے کم نہیں ہے۔ صرف اتنا سا فرق ہے کہ پہلے افراد قوموں کے حقوق سے کھیلتے تھے اور اب اقلیتیں اکثریتوں کے ہاتھوں کا کھلونا بنی ہوئی ہیں۔

Jamia Nagar

کاش سیلاب یہیں پر رک جاتا

کاش تباہ کاریوں کا سیلاب یہیں پر آکر تھم جاتا لیکن اس کا بہاؤ اس وقت متیز ہوجاتا ہے جب اسی نظام سے اقتصادی آزادی کا دھارا پھوٹتا ہے۔ پہلے وضاحت ہوچکی ہے کہ سرمایہ داری نے افراد کو ہر طرح کی اقتصادی آزادی دی ہے۔ ہر فرد آزاد ہے کہ دولت و ثروت اکٹھا کرنے کے جو وسائل چاہے اختیار کرے۔ حکومت ہر قسم کی آسانیاں فراہم کرنے کے لیے تیار ہے۔ بدقسمتی سے نظام سرمایہ داری نے یہ اعلان اس وقت کیا جبکہ دنیا میں صنعتی انقلاب پوری طرح آچکا تھا۔ سائنس نے مشین ایجاد کرکے صنعت کا رخ بالکل بدل دیا۔ چھوٹی چھوٹی دستکاریوں کا نام و نشان تک نہیں رہ گیا۔ ساری دولت سمٹ کر ایک خاص محدود طبقہ کے ہاتھوں میں آگئی جس کے پاس اتفاق سے جدید صنعتی آلات موجود تھے۔ ان کی پشت پر سرمایہ داری کی عطا کردہ غیر محدود اقتصادی آزادیاں تھیں۔ انہوں نے اس سے پورا فائدہ اٹھایا اور خوب دل کھول کر دولت کمائی۔ صنعتی مشین نے جس طبقے کی صنعت و حرفت کو تباہ کر دیا تھا دولت مندوں نے اقتصادی آزادی کا سہارا لے کر انہیں خوب کچلا، وہ بیچارے اس پرزور دھارے پر کہاں رک سکتے تھے؟ نتیجہ یہ ہوا کہ پورا اقتصادی میدان ان بڑے سرمایہ داروں کی دوا دوش کے لئے خالی ہوگیا، پست اور متوسط دونوں طبقے تاب مقاومت نہ لاکر میدان سے ہٹ گئے۔ اب ملک کی اکثریت مالداروں کے رحم و کرم کا آسرا لگائے زندگی کے دن کاٹ رہی ہے۔ سابقہ ایسے گروہ سے ہے جو سرمایہ دارانہ نظام کی مادی ذہنیت اپنے دماغوں میں لئے ہوئے ہے، جس نے شخصی اور انفرادی مصلحت و فائدے کو اپنا کعبۂ مقصود قرار دے لیا ہے۔ اگر اس کی امداد اور ہمدردی کا ہاتھ نہ بڑھے اور اس بے آسرا اکثریت کو فقر و غربت کے گڑھے سے نہ نکالے تو حیرت کا محل نہیں ہے۔ آخر کس لیے

سرمایہ دار طبقہ کی اکثریت کی نظر میں، جبکہ ابھی حال کی لغت میں ایسے الفاظ کبھی نہیں تھے، ایثار، فداکاری، قربانی، مواسات اور خدمت خلق کے الفاظ اس لغت میں موجود نہیں ہیں، جبکہ حکومت نے انہیں پابند نہیں بنایا بلکہ ہر قسم کی آزادی دے دی تو وہ اپنا پیٹ کاٹ کر کسی دوسرے کی شکم پری کیوں کریں؟

دولت مندوں کو اسی ذہنیت کی راہ پر چلنا چاہیے جو نظام سرمایہ داری نے ان کے دماغوں میں بھر دی ہے۔ ان کو اکثریت کی غربت اور محتاجی سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیے۔ ان میں جو افراد محنت و مشقت کر سکیں۔ ان سے اپنے کارخانوں اور فیکٹریوں میں معمولی مزدوریاں دے کر کام لینا چاہیے۔

خالص شخصی مصلحتیں اور فائدے کو پیش نظر رکھنے کے بھی فطری تقاضے ہیں جن کا پورا ہونا ضروری ہے۔ یہ کہنا کہ سوداگروں کی باہمی رقابت اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی خواہش ان زیادتیوں سے بچالے گی ایک ایسا تصور ہے جس کے خلاف روزمرہ کے مشاہدات موجود ہیں۔ ایک محدود طبقے کا کسی نقطے پر متفق ہو جانا کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ ہوتا یہی ہے کہ کارخانہ دار مزدوروں کے مقابلے میں ایکا کر لیتے ہیں۔ مزدور جہاں بھی جاتا ہے اسے وہی قلیل مزدوری ملتی ہے۔ اس کا پیٹ مجبور کرتا ہے کہ ہر پھر کر وہ اسی قلیل اجرت پر کام کرے۔

قیمتوں کا مسئلہ کیونکر حل ہوگا؟

دوکانداروں کی بے جا نفع خوری اور اشیاء کی قیمتوں میں اعتدال و توازن کا مسئلہ بھی دوکانداروں کے باہمی مقابلے اور چشمک کے سہارے حل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جب بھاؤ چڑھتا ہے تو پورے بازار میں جیسے کوئی کوڑی گھما دیتا ہے، سب جگہ ایک ہی نرخ ہو جاتا ہے، اور اگر کہیں کوئی فرق نکلتا ہے تو بہت کم جو نا قابل لحاظ ہے۔

اقتصادیات کے فطری اصول بھی اس کی مکمل روک تھام نہیں کر سکتے۔ ظاہر ہے

ر چیزیں مختلف قسم کی ہیں۔ ضروریاتِ زندگی میں ایسا نہیں ہو سکتا کہ قیمت کے نقطۂ اعتدال
سے بڑھنے پر ان کی مانگ کم ہو جائے۔ کھانے، پینے اور پہننے کی چیزوں کے خریدنے پر انسان
مجبور ہوتا ہے۔ بیمار کو بہر حال دوا خریدنا پڑے گی، خواہ دوا خانے اسے کتنا ہی مہنگا
کر دیں۔ بے شک جن چیزوں کی انسان کو ضرورت نہیں پڑتی، صرف اپنا کوئی شوق
پورا کرنے کے واسطے خریدتا ہے ان میں ایسا ہوگا کہ قیمت جب حدِ اعتدال سے آگے
بڑھے گی تو ان کی مانگ کم ہو جائے گی۔ یہاں ممکن ہے کہ مانگ کی کمی سے متأثر ہو کر تاجر
اشخاص ان چیزوں کا بھاؤ معتدل اور متوازن کر دیں۔ ان مشکلات کو انسانی خصوصیات
کا تحفظ کرتے ہوئے بس اسلام نے حل کیا ہے۔ آئندہ اس امر پر روشنی ڈالی
جائے گی۔

سیاسی آزادی کا حشر

اقتصادی آزادی کے ان تلخ نتائج کے بعد سیاسی حریت کی صورت بھی مسخ ہو کر
رہ جاتی ہے۔ تمام ملکی باشندوں کے سیاسی حقوق میں مساوات کاغذ پر نظام سرمایہ داری
کا تحفہ ضرور ہے، لیکن ان شدید اقتصادی ہچکولوں کے بعد اس کی چولیں بالکل ڈھیلی
ہو جاتی ہیں۔ اقتصادی آزادی پوری قوم کو دو حصوں میں تقسیم کر دے گی۔ سرمایہ دار
اور غریب۔ مالدار اور سرمایہ دار ہونے کے اثرات تمام معاملات کی باگ ڈور دولت مندوں
کے ہاتھ میں دیدیں گے۔ سیاسی آزادی ان کے سامنے ہاتھ پیر ڈال دے گی۔ سرمایہ دار
ملک میں اپنے اقتصادی موقف کی وجہ سے، نشر و اشاعت کے ذرائع قابو میں ہونے کی
بنا پر حاجت مند، مفلوک الحال عوام کی رائے روپیے سے خرید سکنے کے سبب سے حکومت
پر پوری طرح چھا جائیں گے۔ اس کے تمام پرزے ان کی مصلحتوں اور فائدوں کی تحریک
سے ناچیں گے۔ قانون اور سماجی نظام ان کے اشاروں پر مرتب ہوگا، حالانکہ قانون سازی
کا حق پہلے قوم کو دیا گیا تھا۔ یہ ہے نظام سرمایہ داری کا آخری انجام! حکومت اور

[illegible] پر سرمایہ داروں کا قبضہ ہو گیا۔ ملک کی اکثریت [illegible] معدوم ہو گئی!

اب سامراج جنم لیتا ہے!

یہاں پہنچ کر نظام سرمایہ داری کی وہ بدترین تباہ کاری سامنے آتی ہے جس نے سارے عالم کے امن و امان کو تہ و بالا کر دیا ہے۔ یہ سرمایہ دار جن کے ہاتھوں میں اس نظام نے ہر قسم کا اقتدار دیدیا ہے اپنے ہم وطنوں کا خون چوسنے کے بعد اِدھر اُدھر اطرافِ عالم پر حریصانہ نگاہیں ڈالتے ہیں۔ ان کی خود غرضی اور مصلحت اندیشی انھیں سمجھاتی اور سکھاتی ہے کہ وہیں اپنے اثرات کے دائرے کو اور وسیع کرنا چاہیے۔ اس کی دو وجہیں ہیں۔

(الف)

زیادہ سامان اسی وقت تیار کیا جا سکتا ہے جبکہ اس کا خام مادہ زیادہ مقدار میں موجود ہو، جس کے پاس خام اشیاء زیادہ ہیں وہی صنعت اور تخلیق کی طاقت زیادہ رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ خام مادے زمین کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کے حاصل کرنے کے لیے ان ممالک میں اثر پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

(ب)

کارخانہ دار نفع اور فائدے کے لالچ میں مال زیادہ تیار کرتے ہیں۔ عوام کے پاس روپیہ نہ ہونے کے سبب سے ان کے مال کی کھپت ملک کے اندر نہیں ہوتی ہے۔ انہی سرمایہ داروں کی خود غرضی نے ان کی مالی حالت کو اتنا سقیم کر دیا ہے کہ ان کی آمدنی ضروریات زندگی مہیا کرنے کے لیے پورے طور پہ کافی نہیں ہوتی۔ اس صورت میں سرمایہ داروں کو ملک کے باہر نئے بازاروں کی ضرورت پڑتی ہے۔ بیرونی بازاروں پر قبضہ ان ممالک میں روابط و اثرات پیدا کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔

خالص مادی ذہنیت جو اخلاقی اور روحانی اقدار کی قائل نہیں، جس کے نزدیک اسی محدود دنیا اور اس کے مصالح و فوائد کے علاوہ زندگی کا کوئی اور مقصد نہیں ہے اپنا مفاد مد نظر رکھتے ہوئے دوسرے ممالک میں کیوں اپنا اثر قائم نہ کرے؟ کس بنا پر ان کی قدرتی دولتوں کو نہ ہتھیائے؟ کس لیے دنیا کا امن و امان ملحوظ رکھتے ہوئے خود نقصان اٹھائے؟ شخصی مصلحت اور مفاد کے نقطۂ نظر سے جس پر پورے نظام سرمایہ داری کی بنیاد ہے یہ تمام اقدامات جائز اور معقول ہیں۔

حق و انصاف یہ ہے کہ اس نظام نے انسانیت کو عظیم مصائب، اور مظالم میں مبتلا اور عالمی امن و امان کو تہ و بالا کر دیا۔ انسان اس سے متاثر ہو کر اخلاقیات کے دائرے سے بہت دور ہو گیا۔ ایثار، باہمی اعتماد، خیر خواہی اور بے لوثی کے الفاظ بے معنی ہو گئے۔ ہر طرف ماحول پر خود غرضی اور مطلب پرستی چھا گئی۔ دلوں میں محبت، یگانگی، الفت و خلوص، اخوت و برادری کے بجائے کینہ، حسد، بغض و عناد کے جذبے پرورش پانے لگے۔ دنیا فردوس بریں کا جواب کیا بنتی، جہنم کا نمونہ بن گئی۔

(باقی)